

موچی

ابراہیم لنسن ابتدائی زندگی میں مکمل طور پر ناکام انسان تھا۔ جوان عمری میں اس نے بہت سے کاروبار کرنے کی کوشش کی۔ مگر خوش قسمتی اس سے دور ہی رہی۔ معمولی اشیاء کے سٹور سے لیکر ملاج گیری تک کوئی بھی ایسا کام نہیں تھا جو اسے راس آیا ہو۔ قانون کی ڈگری لینے کے باوجود وہ قابل ذکر وکیل نہیں تھا۔ ستر سے اسی فیصلوں سے فیض نہیں لیتا تھا۔ اپنے مولیں کو ہمیشہ سمجھاتا تھا کہ عدالتوں سے دور ہو۔ یہاں انصاف کے علاوہ سب کچھ ملتا ہے۔ کرتا یہ تھا کہ مخالف فریقین کو بھاکر تصفیہ کروادیتا تھا۔ آپ خود سوچیے کہ ایک وکیل جب اپنے مقدمہ کی پیروی کی بجائے صلح صفائی کروانے کی کوشش کرے، اسکی کیا پریکیش ہوگی۔ دوسرا برس پہلے کی امریکی عدالتوں سے ہماری آج کی محترم عدالتوں کی طرح انصاف لینا تقریباً ناممکن تھا۔ ناکامیوں کے باوجود لنسن چندالیسی صلاحیتوں کا مالک تھا جو اسے ہر جگہ نمایاں کر دیتی تھیں۔ ایک توحد درجہ قادر الکلام انسان تھا۔ تقریر کے فن کا بادشاہ اور دوسرا، اسے نسلی امتیاز سے حد درجہ نفرت تھی۔ سیاہ فام لوگوں کو امریکہ میں گوروں کے برابر انسانی حقوق دلوانے کا سہرا صرف اور صرف ابراہیم لنسن کو جاتا ہے۔ اس عظیم کارنا مے پر کالم نہیں، کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ حد درجہ ٹھوس ابراہیم لنسن اپنی تقریر اس توازن سے کرتا تھا کہ سامعین پر سکنہ طاری ہو جاتا تھا۔ گفتار کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ شاستری سے بات کرنا جانتا تھا۔ کڑوی سے کڑوی بات کا اس قدر آراستہ جواب تراشتہ تھا کہ طنز کرنے والا شخص بے بس ہو جاتا تھا۔ بلکہ شرمندہ ہو جاتا تھا۔

اپنے اصل موضوع پر لکھنے سے پہلے صرف ایک واقعہ تشریح کیلئے پیش کرتا ہوں۔ لنسن جب پارلیمنٹ میں پہلی تقریر کیلئے گیا تو ہفتتوں تک اس اہم کام کی تیاری کرتا رہا تھا۔ یہ وہ نازک دور تھا جب امریکہ میں خانہ جنگی ہو رہی تھی۔ غلاموں کی خرید و فروخت اس وقت کا سب سے بڑا کاروبار تھا۔ تمام تاجر، دولت مندوں اس المناک کاروبار سے مسلک تھے۔ یعنی دولت اور طاقت کا توازن لنسن کے مکمل طور پر خلاف تھا۔ لنسن ایک غریب گھرانے سے وابسطہ تھا۔ اسے انسانی تکلیف کا شعور تھا۔ دیانتداری سے سمجھتا تھا کہ سیاہ فام لوگوں جب تک امریکی نظام میں داخل نہیں ہوتے، اس وقت تک ملک ترقی نہیں کر سکتا۔ سیاستدانوں میں سے اکثریت سیاہ فام لوگوں کو غلام رکھنے کا عظم رکھتی تھی۔ اسی مشکل مناظر میں لنسن کو صدارتی تقریر کرنی تھی۔ اسکو بھی نازک وقت کا بھرپور ادراک تھا۔ چنانچہ تقریر کی مکمل تیاری کر کے آیا تھا۔ پارلیمنٹ میں داخل ہو کر جب سطح پر پہنچا تو ایک ایسا واقعہ ہوا، جس نے لنسن کی انسان کی برابری والے خیالات کی ٹھوس توثیق کر دی۔ تقریر شروع کرنے سے پہلے ایک حد درجہ با اثر پارلیمنٹرین نے اوپری آواز سے کہا کہ ابراہیم، تمہارا والد تو ایک موچی تھا۔ وہ میرے والد اور رشتہ داروں کے جو تے بنایا کرتا تھا۔ تمہارے جیسے عام آدمی کا سیاست سے کیا لینا دینا۔ جاؤ، واپس جاؤ۔ کوئی دوسرا کام کرو۔ لنسن خاموشی سے یہ بات سنتا رہا۔ ابھی تقریر یا قاعدہ طور پر شروع نہیں کی تھی۔ لوگوں کا خیال تھا کہ اپنے والد کی تحقیر پر لنسن بھڑک اُٹھے گا اور غصہ میں آ جائیگا۔ مگر ایسا کچھ بھی نہیں ہوا۔ ابراہیم لنسن نے تاریخی جواب دیا۔ ”ہاں، میرا والد ایک موچی تھا۔ یہ بھی درست ہے کہ اس نے آپکے بزرگوں کے جو تے بنائے ہوں۔ مگر ایک بات آپ بھول گئے۔ وہ ایک باوقار، مستند، تجربہ کارا و عظیم موچی تھا۔ لوگ

اسکے بنائے ہوئے جو تے پہننا پسند کرتے تھے۔ میرا والد اپنے فن میں اس قدر مشاہق تھا کہ کوئی بھی صارف، اسکے بنے ہوئے جو تے واپس نہیں دینے آیا۔ آپکے بزرگوں نے بھی کبھی میرے والد کے جو توں کونا پسند نہیں کیا۔ کبھی ان میں کوئی نقص نہیں نکال پائے۔ ہاں، ایک اور بات۔ میں، ابراہیم لٹکن بھی جو تے بنانے کافن جانتا ہوں۔ اگر آپ جو تے بنوانا چاہیں، تو آپ شوق سے میرے پاس آ سکتے ہیں۔ آپکو بے مثال جوتا بنا کر دوں گا۔ پرانے جو توں کی مرمت بھی کر دوں گا۔ اسلیے بھی کہ ہاتھ سے کام کرنے والا ہر آدمی اصل میں ایک بے مثال اور عظیم آدمی ہوتا ہے۔ ہرگز ہرگز چھوٹا نہیں ہوتا۔ البتہ ان پر تقيید کرنے والوں کے کردار کے متعلق کچھ بھی کہنا مشکل ہو گا۔ ”ابراہیم لٹکن کا جواب سنکر خاموشی چھا گئی۔ جس سیاستدان نے اس پر طنز کیا تھا، شرمندگی سے پانی پانی ہو گیا۔ پورے ہاں نے ابراہیم لٹکن کا مدلل جواب سنکر بھر پورتا لیاں بجا لیں۔ اسے خوب سراہا۔ یہ جواب تاریخ کے کاغزوں میں آج بھی جگہ گارہا ہے۔ دنیا میں اس عظیم شخص نے غلامی کو ختم کر کے دکھایا۔

ابراہیم لٹکن کا سیاست میں اتنا شاستہ جواب، ہمارے موجودہ سیاسی حالات اور گفتگو میں حد درجہ اہم ہے۔ ہمیشہ کی طرح آج بھی سیاست میں غیر مہذب بیانات کا عروج ہے۔ ابتداء کس نے کی۔ کیسے ہوئی۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس پر نظر ڈالے بغیر ہم آج کے تناظر کو سمجھنے میں غلطی کر سکتے ہیں۔ ایوب خان کا دور توزہ نہ میں حد درجہ دھندا ہے۔ مگر اسکے بعد بھٹو صاحب جیسے ذہن شخص نے اپنی تقاریر میں ذمہ معنی الفاظ کو بہت زیادہ استعمال کیا۔ سیاسی مخالفین کے ادنیٰ قسم کے نام رکھے۔ آج بھی میری عمر کے لوگ ان القاب کو جانتے ہیں۔ انہیں صبط تحریر کرنا مناسب بھی ہے اور بد تہذیبی بھی۔ ایک وجہ یہ بھی کہ جو دنیا سے چلا گیا، اسکا کیا ذکر کروں۔ واقعاتی طور پر بھٹو ایک دیومالائی سطح کا سیاستدان تھا۔ اپنی خوبیوں اور خامیوں کے ساتھ۔ جزل ضیاء الحق بھی بھٹو صاحب سے ذہنی طور پر خائف تھا۔ تمام تر کوتا ہیوں کے باوجود، ضیاء الحق اپنی گفتگو کے الفاظ پر کافی حد تک حاوی تھا۔ ہرگز ہرگز بہتر مقرر نہیں تھا۔ مگر تقاریر میں ادنیٰ الفاظ کا استعمال کم سے کم کرتا تھا۔ ہاں، محترمہ نصرت بھٹو اور بینظیر بھٹو کے متعلق ضیاء الحق عامیانہ باتیں ضرور کرتا تھا۔ سیاسی تقاریر میں اگر آپ نے حد درجہ غلیظ الفاظ، ذمہ معنی باتیں، احترام سے عاری الفاظ بہتات سے سننے ہیں، تو 1985 سے لیکر 1999 کا دور یاد رکھنا چاہیے۔ نواز شریف صاحب اور انکی سیاسی ٹیم بھی غیر ذمہ دارانہ طریقے سے مخالفین کی کردار کشی کرتے تھے۔ انکی ذاتی زندگی کے متعلق جو تکلیف دہ جملہ فرماتے تھے۔ وہ سب کچھ آج بھی لوگوں کے ذہن پر کندہ ہیں۔ عجیب بات یہ بھی ہے کہ اس وقت کے پیپلز پارٹی کے جیالے جو، نواز شریف کے متعلق نازیبا القابات گردانے تھے، وہ بھی ہماری سیاست کا تاریک حصہ ہے۔ ویسے قدرت کا ستم دیکھیے۔ آج انہی جیالوں میں سے کچھ پی ایم ان کی صفت میں کھڑے ہو کر اپنی ادنیٰ سوچ اور الفاظ، میاں صاحبان کے مخالفین کیلئے استعمال کر رہے ہیں۔ نام لینے کی ضرورت نہیں۔ کیمرے کی آنکھ میں سب کچھ محفوظ ہے۔ ایک بات کو جانا چاہیے۔ بطور زیرِ عظیم نواز شریف اور بینظیر نے اپنی زبان پر کنٹرول کرنے کی جزوی کوشش ضرور کی۔ مگر اس وقت تک حد درجہ نقصان ہو چکا تھا۔ ویسے ان اکابرین نے مخالفین کو گالیاں دینے کیلئے اپنی ٹیم مختص کر دی تھی اور وہ ماشاء اللہ، بلکہ سبحان اللہ، ایسی غیر معزز گفتگو فرماتے تھے کہ خدا کی پناہ۔ جزئیات میں جائے بغیر، گزشتہ بارہ سال میں سیاستدانوں کے طرزِ تکم پر غور فرمائیے۔ آپکی طبیعت بوجل ہو جائیگی۔ آصف

زرداری کو بطور صدر، محترم میاں صاحبان نے کس کس نام سے پکارا، یہ سب جانتے ہیں۔ اگر بات، ٹین پرسنٹ پر ہی ختم ہو جاتی، تو چلیے پھر بھی خیر تھی۔ مگر ہر ادنیٰ استعارے کو زرداری اور یوسف رضا گیلانی کیلئے استعمال کیا گیا۔ مگر یہاں میں آصف زرداری کو داد دینا چاہتا ہوں کہ اس ”مردھر“ نے پلٹ کر کبھی گالی نہیں نکالی۔ کبھی ایسی زبان استعمال نہیں کی، جسکے زخم حد درجہ گہرے ہو جائیں۔ ہاں، چھوٹی مولیٰ زبانی کراس فائرنگ ضرور کرتے رہے۔ اب کیونکہ دونوں پرانے سیاسی متحارب شیر و شکر ہونے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں۔ لہذا کوئی بھی اس دور کو یاد نہیں رکھنا چاہتا۔ بہر حال دونوں سیاسی جن نظر آنے والے اشخاص اپنے ماضی سے اتنی آسانی سے پیچھا نہیں چھڑ رہ سکتے۔ ان تمام نفرتوں کے بازار میں مزید ہر گھوٹنے کیلئے عمران خان صاحب نے سیاسی مخالفین کے متعلق حدرجہ تلخ اور غیر مہذب باتیں کیں۔ انہوں نے سیاسی پوائنٹ سکورنگ کرنے کیلئے، تقریباً تمام اخلاقی حدود کو پھلا نگ لیا۔ مگر قدرت کا ایک بے مثال نظام ہے۔ ہر چیز، لفظ، ظلم، اچھائی، نیکی، گناہ، پلٹ کرو اپس ضرور آتا ہے۔ آج کل بالکل یہی ہو رہا ہے۔ بلکہ کافی ہو رہا ہے۔ سیاسی کردار بدل گئے ہیں۔ مگر زبان وہی ہے جو اسی اورنوے کی دہائی میں استعمال ہوتی تھی۔ حیرت انگیز امریہ بھی ہے کہ اکھاڑے کے پہلوان تبدیل ہو گئے، مگر طرزِ تھاٹب اور گفتگو کا ادنیٰ پین بعینہ ماضی کی بے شرمنی میں گندھا ہوا ہے۔ جملوں پر غور کیجئے۔ ”ہم واپس آرہے ہیں۔ لہذا افسران موجودہ حکومت کی کوئی بات نہ مانیں“، ”اعلیٰ سرکاری افسران کو ہمارا ساتھ دینا ہوگا“، ”جو میرے قائد کو گالی نکالے گا، اسکی زبان گدی سے کھٹخ لی جائے گی“، ”اگر کوئی ایک پھر مارے گا، تو ہم اسے سوپھر ماریں گے“، ”کس کی مجال ہے کہ ہمارے خلاف کوئی بات کر سکے“، یہ صرف چند ہلکی سطح کے جملے ہیں، جو لکھنے کی جرات کر رہا ہوں۔ ایسے ایسے دیگر جملے ہیں جنہیں دہرانا تقریباً ناممکن سا ہے۔ موجودہ ادنیٰ سیاسی ماحول میں شائد گالیاں نکالنا ایک مستحسن کام بن چکا ہے۔ شائد عوام کی اکثریت ان سیاستدانوں سے متاثر ہے جو ذہنی معنی جملوں میں آفاتی باتیں کر سکتے ہیں۔ موقع محل کے تناظر کے بغیر ہر مخالف کی پیڑی اُچھانا فرض سمجھتے ہیں۔ اسکی کوئی آخری حد نہیں ہے۔ گھٹیا تقاریر اب ہماری سیاست کا مقدربن چکی ہے۔ جو ہری نکتہ یہ ہے کہ ہمارے بڑے بڑے جفاد ری سیاستدان، ریا کاری، منافقت اور یاستی اداروں کی پنیری سے جعلی طور پر پیدا کیے گئے ہیں۔ ہمارے ادنیٰ نظام نے بونوں کو سیاسی جن بنانے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ مگر یہ صرف بونے ہی رہنگے۔ ان پر لاکھ عظمت کا روغن ملا جائے، انکی اصلاحیت وہی رہیگی۔ یہ غیر مہذب گفتگو اور اپنی ذات سے اوپر سوچنے کی استطاعت ہی نہیں رکھتے۔ ان میں ایک بھی ابرا ہیم لئن جیسا لافانی انسان نہیں، جو اپنے مخالف کے موچی والے طرز کو بھرپور طریقے سے سنکر مہذب ادا جواب دے پائے۔ مگر اب بڑے قد کاٹھ کے سیاستدان کس کا رخانے سے لیکر آئیں؟

راوِ منظر حیات